ناقص تعلیم سے سرمایہ کاری کی پیداواری صلاحیت کم ہوجاتی ہے اور طرزحکمرانی کمزور ہوجاتا ہے۔ داخلے، تعلیم جاری رکھنے اور مکمل کرنے کی پست شرح کے نتیجے میں بیروزگاری میں اضافہ ہوتا ہے، اور تربیت یافتہ عملہ کی کمی کے باعث آسامیاں اکثر خالی رہ جاتی ہیں۔

موثر اور پائیدار تعلیمی اصلاحات کے لئے ضروری ہے کہ یہ پالیسی اور ادارہ جاتی تبدیلیوں کا مجموعہ ہوں۔ مختلف اقسام کی تعلیم بشمول پیشہ ورانہ تربیت پر سرمایہ کاری بھی اتنی ہی اہم ہے۔ صوبے کے قدرتی وسائل کو کام میں لانے کے لئے ہنرمند اور تربیت یافتہ افرادی قوت کی کمی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس کے وسائل کو ان کی استعداد کے مطابق بروئے کار نہیں لایا جا رہا۔

تعلیم کی کمی غربت کے چکر کو بھی دوام دیتی ہے۔ صوبے کے باحیثیت گھرانوں کے مقابلے میں غریب گھرانوں میں اوسطاً 70 فیصد زیادہ بچے ہیں۔ ان بچوں کی اکثریت کوئی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کرتی اور یوں غربت کا یہ منحوس چکر ناخواندگی کا باعث بنتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔ گھرانے کی آمدنی اور سکول داخلے کے درمیان گہرا باہمی تعلق دیکھنے میں آتا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق دولت کے اعتبار سے غریب ترین کوئنٹائل (Quintile) کے 6 سے 10 سال عمر کے بچوں کے بارے میں یہ امکان امیر ترین کوئنٹائل کے بچوں کے مقابلے میں چار گنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ سکول سے باہر رہیں گے۔[5] آمدنی کی عدم مساوات اس طرح سکول تعلیم تک پست رسائی کا سب سے بڑا سبب بن جاتی ہے۔

صنف کے اعتبار سے دیکھیں تو لڑکیوں کی تعلیم کے شعبے میں صوبے کا ریکارڈ ناقص رہا ہے۔ 15-2014 میں 81 فیصد لڑکیاں پرائمری سکول تعلیم مکمل نہیں کر پائیں جبکہ لڑکوں میں یہ تناسب 52 فیصد ہے۔[6]

بلوچستان میں پرائمری سکول میں داخلے کی اصل شرح کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صوبے میں لڑکیوں اور لڑکوں کے درمیان سکول داخلے کے اعتبار سے شدید فرق پایا جاتا ہے۔ قبائلی رویئے لڑکیوں کو حصول تعلیم یا روزگار اپنانے سے روکنے میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ صوبے میں داخلے کے اعتبار سے صنفی خطوط پر اس سماجی تقسیم کو ختم کرنا ہوگا۔ تبھی جا کر صوبے میں تعلیم کی مجموعی صورتحال کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

صوبے میں صحت بالخصوص زچہ و بچہ کی شرح اموات کے اشاریئے بھی کچھ ایسی ہی تصویر پیش کرتے ہیں۔ زچہ کی شرح اموات کے اعتبار سے بلوچستان ملک کے دیگر صوبوں کے مقابلے میں سرفہرست نظر آتا ہے۔ طویل فاصلے، مواصلات کے ناقص نظام اور صحت کی بنیادی سہولیات کی کمی خواتین کے مسائل کو دوچند کر دیتے ہیں۔ خواتین کی ایک بڑی تعداد حمل کے دوران ہی زندگی کی جنگ ہار جاتی ہے۔ ایک لاکھ خواتین میں سے اوسطاً ایسی 785 خواتین موت کا شکار ہو جاتی ہیں جبکہ ملک کے باقی علاقوں میں یہ تناسب 272 ہے۔[7] پانی سے پیدا ہونے والی بیماریاں بھی صوبے میں عام ہیں کیونکہ فراہمی و نکاسی آب کی سہولیات ناقص ہیں اور سیوریج ڈسپوزل اور ویسٹ مینجمنٹ کا مناسب نظام ناپید ہے جس کے نتیجے میں پانی آلودہ ہے۔ صوبے میں رہنے والے تقریباً 32 فیصد افراد کی صحت کی بنیادی سہولیات تک رسائی صفر ہے۔[8] صحت مند آبادی معاشی ترقی کے علاوہ افرادی قوت کی صلاحیتوں اور مہارتوں کو بھرپور طریقے سے بروئے کار لانے کے لئے ناگزیر ہے۔ بلوچستان کے دیہی علاقوں میں صحت کی صورتحال اس سے بھی ابتر ہے اور اس شعبے میں خواتین عملہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

بلوچستان میں صحت اور تعلیم کے شعبوں کی ترقی نہ صرف انسانی ترقی کے نتائج بہتر بنانے بلکہ انسانی وسائل کی ترقی اور معاشی ترقی کے لئے بھی بہت ضروری ہے۔ صوبائی حکومت کو اپنی توجہ انسانی سرمائے کی بہتری اور تشکیل پر مرکوز کرنی چاہئے تاکہ داخلی اور بیرونی منڈیوں میں موجود مواقع سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور صوبے میں منڈی کے زور پر بڑھنے والی معاشی افزائش پر سرمایہ لگایا جاسکے۔

صوبے میں سماجی شعبے کے اداروں کو مستحکم بنانے کی ضرورت ہے تاکہ سرکاری اور نجی شعبے میں سماجی خدمات کی افادیت میں اضافہ ہو۔ شعبہ تعلیم میں بنیادی تعلیم کی فراہمی کے علاوہ دوران ملازمت تربیتی پروگراموں، تکنیکی وغیر تکنیکی تعلیم، ضروری مہارتوں کی ترویج، ٹیکنالوجی اور جدت کے پھیلاؤ، اہل اساتذہ، انسٹرکٹرز اور تربیتی ماہرین کی بھرتی پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے جو مفید علم اور تنقیدی سوچ پیدا کریں۔ شعبہ صحت کے معاملے میں ان ترجیحی شعبوں کے ازسرنو تجزیہ کی ضرورت ہے جن پر فوری توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے۔ صوبائی حکومت نے ماضی میں اس شعبے پر توجہ دی ہے۔ سابق وزیراعلیٰ نے 300 نئے سکول کھولنے، مزید 300 سکولوں کو اپ گریڈ کرنے، تین میڈیکل کالج قائم کرنے، بنیادی مراکز صحت کو بہتر سہولیات سے لیس کرنے کے لئے نئے اور جدید ترین طبی آلات اور مشینری کی خریداری کا اعلان کیا تھا لیکن ابھی ایک طویل سفر طے کرنا باقی ہے۔ بہرحال یہ اقدامات جہاں اچھے مستقبل کی وعید ہیں وہیں اس امر کو یقینی بنانا بھی ناگزیر ہے کہ شعبہ صحت ہو یا شعبہ تعلیم، معیار اور مقدار دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

صوبائی حکومت کو چاہئے کہ وہ اپنی سالانہ بجٹ منصوبہ سازی میں سماجی شعبے کو ترجیحی حیثیت دے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ تعلیم کے شعبوں کو گزشتہ تین سال سے صوبائی بجٹ میں ترجیح دی جارہی ہے لیکن پھر بھی یہ مزید توجہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کوششوں کے ثمرات تبھی سامنے آئیں گے کہ ان فنڈز کو مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے اور کام میں لایا جائے۔ لہٰذا، اداروں کی ترقی صوبے میں سماجی ترقی یقینی بنانے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

5 عالمی بینک (2013)، Determinants of School Enrollment in Balochistan۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://documents.worldbank.org/curated/en/351191468286790485/pdf/761150NWP0Fina00Box374362B00PUBLIC0.pdf

6 گارڈین (2018)، Pakistan's schools crisis has 'devastating impact on millions of girls۔ جو یہاں سے دستیاب ہے:
https://www.theguardian.com/global-development/2018/nov/13/pakistan-failing-to-provide-millions-of-girls-with-an-education-report-says

7 ڈان (2014)، Maternal mortality: Balochistan's women suffer in silence۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.dawn.com/news/1139853

8 راشد سید (2018)، Healthcare a luxury for people in Balochistan۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.geo.tv/latest/189971-only-30-to-32-per-cent-of-balochistan-have-access-to-medical-facilities

بلوچستان کے آبی وسائل اور ان کا نظم ونسق - اہم مسائل

ڈاکٹر شاہد احمد

ماہر نظم ونسق وترقی آبی وسائل

پانی کی قلت

پانی کی قلت بلوچستان کی ترقی میں اہم رکاوٹ ہے۔ پاکستان کے کل دستیاب پانی کا تقریباً 87 فیصد سندھ طاس کے نظام آبپاشی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ بلوچستان اس نظام کے کناروں پر واقع ہے اور اس کا زیادہ تر انحصار پانی کے موسمی (Non-Perennial) اور بعض دائمی (Perennial) ذرائع (سندھ طاس نظام آبپاشی سے اور اس سے باہر چشمے ندیاں وغیرہ) پر ہے۔ بلوچستان اکنامک رپورٹ [1] کے تخمینوں کے مطابق سال 2005 کے دوران بلوچستان میں پانی کی دستیابی 556 مکعب فی ہیکٹیئر سالانہ تھی [2] اور آج (2018) بھی تقریباً اتنی ہی ہے جو محض یہی ظاہر کرتی ہے کہ پانی تک رسائی رکھنے والی آبادی کم ہے۔ حقیقی اعتبار سے دیکھا جائے تو پانی کی دستیابی میں تغیر قومی اوسط کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اور پانی کا فی کس ذخیرہ قومی ویلیو کا محض 20 فیصد ہے (جو قطعاً ناکافی ہے)۔ نتیجہ یہ ہے کہ بلوچستان نہ صرف پانی کے لحاظ سے سب سے کم محفوظ صوبہ ہے بلکہ موسمیاتی تبدیلی سے بھی اسے سب سے زیادہ خطرات درپیش ہیں جبکہ پانی سے متعلق ترقیاتی مشکلات سے نمٹنے کی اس کی صلاحیت بھی سب سے کم ہے۔ پاکستان کی آبی معیشت جہاں آپس میں بہت زیادہ جڑی ہوئی ہے جس سے خطرات سے مل کر نمٹنے کا موقع پیدا ہو جاتا ہے وہیں بلوچستان کی آبی معیشت بہت زیادہ بکھری ہوئی ہے اور اس کے وسیع رقبے میں 16 دریائی طاس آتے ہیں۔ [3]

شکل 1: مختلف ذرائع سے پانی کی دستیابی [5,6]

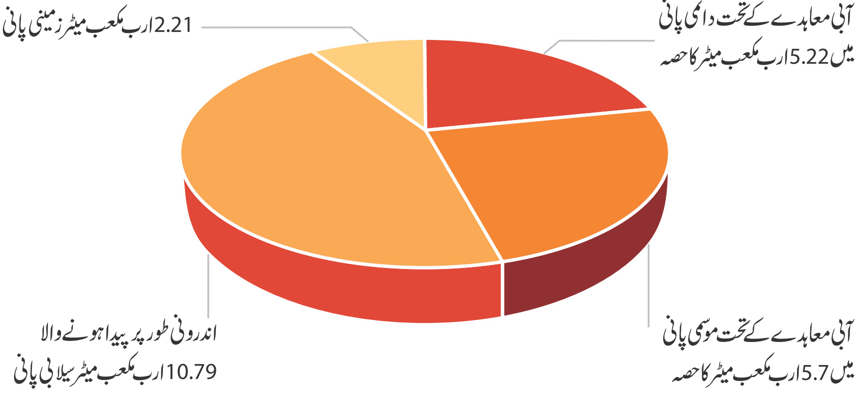

گزشتہ تین دہائیوں کے دوران بلوچستان کی زرعی ترقی کو آگے بڑھانے میں کینال کمانڈز میں اضافے اور ٹیوب ویلوں کے پھیلاؤ سے آبپاشی پر مبنی زراعت کی توسیع کا کردار نمایاں رہا ہے۔ اس حکمت عملی کو جہاں قابل ذکر کامیابی ملی ہے مثلاً بہتر قدر و قیمت کی حامل باغبانی کی افزائش ہوئی ہے وہیں اس کا جھکاؤ آبادی کے ایک معمولی سے طبقے کی طرف رہا ہے اور اب یہ دیر پا نہیں رہی۔ زیر زمین پانی دھڑا دھڑ نکالنے سے آبی جدول نیچے چلا گیا ہے اور اس کا نتیجہ طاس کے بڑے علاقوں میں پانی کی کمی کی صورت میں برآمد ہوا ہے۔ پاکستان کے آبی معاہدہ کی روشنی میں جہاں نہری پانی کے موجودہ استعمال کو بڑھانے کا امکان موجود ہے وہیں آبپاشی کے بنیادی ڈھانچے کی استعداد پہلے ہی استعمال ہو چکی ہے۔ [4] بلوچستان کے 16 دریائی طاس پانی کی دستیابی کے حوالے سے اتار چڑھاؤ کا شکار ہیں جہاں پانی کی قلت ایک عام سی بات بن چکی ہے۔

بلوچستان کے آبی وسائل

پانی کی قلت کے باوجود بلوچستان اپنے دستیاب وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھانے میں ناکام رہا ہے۔ پانی کے تین بڑے ذرائع یہ ہیں: الف) سندھ طاس کا نظام آبپاشی جو آبی معاہدہ کی رو سے پانی کے دائمی اور موسمی بہاؤ پر مشتمل ہے۔ ب) اندرونی طور پر پیدا ہونے والا سیلابی پانی جو موسمی سیلاب کے بہاؤ پر مشتمل ہے۔ ج) زمینی پانی۔ 24 ارب مکعب میٹر سالانہ کے دستیاب پانی میں سے 2017 میں محض 45 فیصد استعمال کیا گیا (شکل 1)۔

1991 کے آبی معاہدہ میں سندھ طاس کے پانی میں صوبوں کا استحقاق واضح طور پر طے کر دیا گیا ہے۔ سندھ طاس کے موجودہ دائمی بہاؤ میں بلوچستان کا پانی 4.78 ارب مکعب میٹر ہے جس میں منگلا ڈیم ریزنگ پراجیکٹ کے بعد مزید 0.44 ارب مکعب میٹر کا اضافہ ہو گیا۔ دائمی بہاؤ دو اضلاع یعنی نصیر آباد اور جعفر آباد تک محدود ہے۔ سندھ سے سالانہ موسمی سپلائی، جو سیلاب والے سالوں اور مون سون کے مختصر موسم کے دوران دستیاب ہوتی ہے، اندازاً مزید 5.7 ارب مکعب میٹر بنتی ہے۔ پھر بھی پیٹ فیڈر اور کیرتھر نہروں کی موجودہ استعداد کے پیش نظر آبی معاہدہ کی رو سے 10.9 ارب مکعب میٹر کے مجموعی مختص شدہ بہاؤ میں سے صرف 3.8 ارب مکعب میٹر پانی استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے۔ کچی کینال کی تکمیل کے بعد اندازہ ہے کہ یہ 4.57 ارب مکعب میٹر دائمی پانی اور 1.94 ارب مکعب میٹر موسمی پانی تک بڑھ جائے گا۔ اس سرمایہ کاری کے بعد بھی بلوچستان کی طرف سے سندھ طاس نظام آبپاشی کا استعمال کل دستیاب آبی وسائل کا تقریباً 60 فیصد ہو گا (دائمی/موسمی)۔

داخلی طور پر پیدا ہونے والے سیلاب میں صوبے کا کل بہاؤ 75 فیصد، 50 فیصد اور 25 فیصد کی امکانی سطح پر بالترتیب 3.25، 10.79 اور 25.23 ارب مکعب میٹر ہے (شکل 2)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بارش والے سالوں کے دوران اوسط اور بہاؤ میں 134 فیصد تک اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ خشک سالوں کے دوران اس میں 70 فیصد تک کمی آ جاتی ہے۔

---

1 عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک، حکومت بلوچستان (2008)۔ "Pakistan's Balochistan Economic Report 2008" ۔عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک اور حکومت بلوچستان، رپورٹ نمبر 40335 Pk، جلد I اور II

2 ہیکٹیئر کا رقبہ 1000 مربع میٹر کے برابر ہے۔

3 ترین، ایس بی ثانی، کے بابر، ایس احمد، 2008۔ Re-assessment of Water Resources Availability and Use for the Major River Basins of Balochistan - Major Findings, Policy Issues and Reforms۔ جلد (4) شمارہ (7)، TA-4560 (PAK)، کوئٹہ، پاکستان۔

4 عالمی بینک (2005)، "Pakistan economy running dry"۔ Country Water Assistance Strategy۔ پاکستان ریزیڈنٹ مشن، عالمی بینک، اسلام آباد، پاکستان۔

5 حکومت پاکستان (1991)، "آبی معاہدہ پاکستان۔ حکومت پاکستان"۔

6 حکومت بلوچستان، ایشیائی ترقیاتی بینک (2007)، "Water resources availability and use"۔ ADB-TA 4560، "Supporting Public Resource Management in Balochistan

شکل 2 اور 3: الف) داخلی طور پر پیدا ہونے والا سیلابی پانی، ب) زمینی پانی کی دستیابی کی سطح [7]

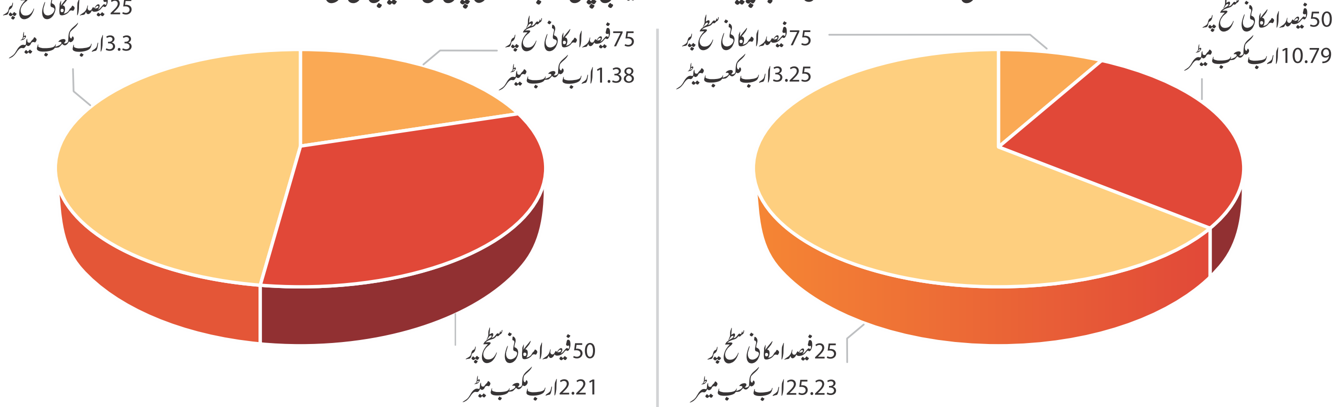

زمینی پانی کی دستیابی کا انحصار دو عوامل پر ہوتا ہے یعنی آب اندوخت کا دوبارہ بھرنا اور اس میں پانی کا ذخیرہ رہنا۔ عام حالات میں یہ دوبارہ بھرنے کی اوسط سالانہ شرح پر مبنی ہوتا ہے۔ بارش والے سالوں میں آب اندوخت دوبارہ بھرنے کی شرح 49.5 فیصد بڑھ جاتی ہے اور خشک سالوں کے دوران 37 فیصد کم ہو جاتی ہے۔ شکل 3 میں بلوچستان میں 3 امکانی سطحوں پر دوبارہ بھرنے کی سالانہ اوسط دکھائی گئی ہے۔

زمینی پانی جو بلوچستان کے کل آبی وسائل کا محض 9 فیصد بنتا ہے، صوبے میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا آبی ذریعہ ہے۔ آب اندوخت دوبارہ بھرنے کے مقابلے میں ٹیوب ویلوں اور کنوؤں کے ذریعے زمینی پانی نکالنے کا تناسب 20 فیصد زیادہ ہے۔ بلوچستان میں آبی جدول کی پست سطح ایک عام سی بات ہے کیونکہ کسان اس وقت 300 میٹر کی گہرائی سے بھی زیادہ پر پانی نکال رہے ہیں۔ کوئٹہ ’سب بیسن‘ میں کی گئی مطالعاتی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ سالانہ کل 97.6 ملین مکعب میٹر پانی نکالا جا رہا ہے جبکہ دوبارہ بھرنے کا تناسب 61.1 ملین مکعب میٹر سالانہ ہے جس کے نتیجے میں 36.5 ملین مکعب فٹ کا سالانہ خسارہ سامنے آرہا ہے۔ تین بڑے طاس یعنی پشین - لورالائی، ناری اور ژوب کے دریاؤں) میں استعمال کی شرح اتنی بلند ہے کہ یہ پانی شدید حد تک خشک ہونے کا باعث بن سکتی ہے۔

پانی خشک ہونا حکومتی سب سڈی سے لگنے والے بجلی کے ٹیوب ویلوں کی تعداد میں تیزی سے اضافے کا نتیجہ ہے۔ ستر کی دہائی میں نیشنل الیکٹرسٹی گرڈ سسٹم متعارف کرایا گیا جس کے بعد بجلی کے ٹیوب ویلوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا (شکل 4)۔ 2014-15 میں ٹیوب ویلوں کی تعداد 41,417 کے لگ بھگ تھی جن میں سے 30,013 بجلی پر چل رہے تھے۔ کل ٹیوب ویلوں میں بجلی سے چلنے والے ٹیوب ویلوں کا حصہ 1970-71 میں ایک تہائی سے بھی کم تھا جو 2014-15 میں بڑھ کر 72 فیصد تک پہنچ گیا۔ کسان ٹیوب ویل کے استعمال اور سائز سے قطع نظر 6000 روپے ماہانہ کے مقررہ نرخ پر بجلی کا بل ادا کرتے ہیں۔ درست وقت پر بجلی کی دستیابی بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مثلاً کوئٹہ، جو پھل اگانے والا ضلع ہے، میں پانی کی مانگ جنوری (28mm) کے مقابلے میں جولائی (161mm) کے مہینے کے دوران پانچ گنا بڑھ جاتی ہے جس کے مطابق بجلی کی ضروریات میں ماہانہ تبدیلی 3 سے 16 گھنٹے یومیہ بنتی ہے (شکل 5)۔ بجلی کے ٹیوب ویل کے علاوہ ڈیزل سے چلنے والے ٹیوب ویلوں کی تعداد 2014-15 میں 10,860 تھی لیکن توقع ہے کہ اصل تعداد اس سے زیادہ ہوگی جتنی بتائی جاتی ہے کیونکہ دستیاب ڈیٹا قابل اعتبار نہیں ہے۔

شعبہ آب اور اس کی بحالی پر سرمایہ کاری

حکومت بلوچستان کی طرف سے سرمایہ کاری کا زیادہ زور سطحی آبپاشی اور ڈیموں پر رہا ہے۔ 2016-17 کے دوران ان سکیموں پر سرمایہ کاری 6.5 ارب روپے کے لگ بھگ رہی۔ ڈیموں پر کی گئی بڑی سرمایہ کاری 4.1 ارب روپے رہی۔ بحیثیت مجموعی، 2011-12 سے 2016-17 تک بجٹ میں 40 فیصد کمی دیکھنے میں آئی۔

شکل 4: بلوچستان میں ٹیوب ویلوں کی تعداد میں اضافہ [8]

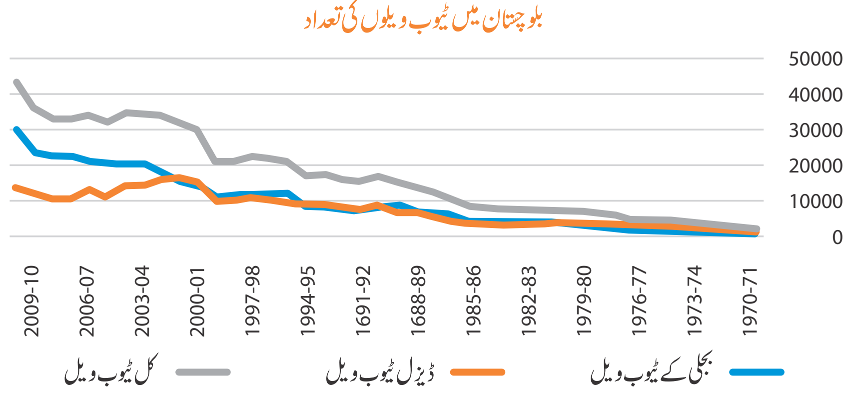

شکل 5: کوئٹہ میں پانی کی مانگ پوری کرنے کے لئے درکار بجلی کے یومیہ گھنٹے [9]

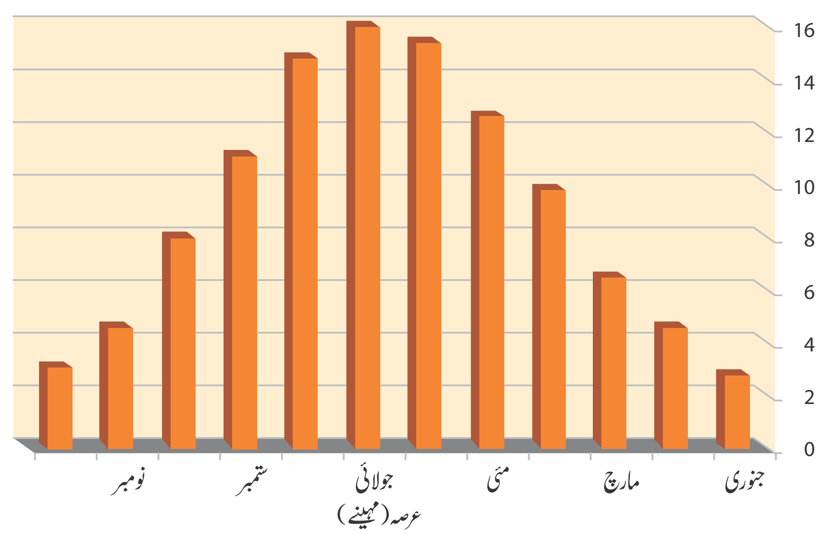

7 حکومت بلوچستان، ایشیائی ترقیاتی بینک، 2007۔ Water resources availability and use ۔ADB-TA 4560، Supporting Public Resource Management in Balochistan

8 حکومت بلوچستان، 2014۔ Agriculture statistics of Balochistan۔ محکمہ زراعت، حکومت بلوچستان۔

9 احمد، ایس، 2005۔ Policy Briefings: Irrigation and Energy Nexus - Managing Energy and Water Use for Reducing Subsidy on Electric Tubewells in Balochistan۔ جلد (1 شمارہ (1، TA-4560 (PAK)، کوئٹہ۔

صوبائی محکمہ ریونیو نوآبادیاتی دور میں قائم کیا گیا جو کسانوں سے زیرکاشت رقبہ اور فصلوں کی نوعیت کی بنیاد پر نہری پانی کی فراہمی کے لئے آبیانہ وصول کرتا ہے۔ آبیانہ کے نرخ انتہائی کم ہیں اور ان کی وصولی ناقص ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس سے جمع ہونے والی رقوم آبپاشی ڈھانچے کے آپریشن اور دیکھ بھال کے اخراجات سے خاطرخواہ حد تک کم رہ جاتی ہیں۔ گزشتہ ایک آدھ دہائی سے صورتحال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

پانی کی پیداواری صلاحیت

بلوچستان میں زراعت، چاہے وہ آبپاشی سے ہوتی ہو یا 'سیلابہ' سے، اس میں پانی بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے کیونکہ کسان پانی کی 'سماجی قیمت' کا خیال نہیں رکھتے۔ دو شعبے ایسے ہیں جو پانی کی پیداواری صلاحیت بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں، آبپاشی ٹیکنالوجی اور آبی استحقاق۔

آبپاشی ٹیکنالوجی: فراہمی آب کے اوقات اور کھیت میں پانی استعمال کرنے کے طریقوں میں بہتری کے ذریعے پانی کا بہتر استعمال اس کی فی یونٹ پیداوار میں شاندار اضافہ دکھا سکتا ہے۔ پانی کے اوقات اور ان کی پابندی اس لحاظ سے اہم ہیں کہ اس سے کسانوں کو کھاد، بیج، زمین کی تیاری پر ضروری سرمایہ کاری کے لئے مراعات مل جاتی ہیں اور فصل کی افزائش کے اہم مراحل میں پانی کی دستیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ مختلف کینال کمانڈز کے لئے پانی کی موجودہ منظور شدہ تخصیص عمل تبخیر کے تقاضوں یا فصلوں کی ضرورت کے مطابق نہیں ہے جس کا نتیجہ پانی کی پست پیداواری صلاحیت اور ضیاع کی صورت میں برآمد ہو رہا ہے۔ آبپاشی کے لئے ہائیڈرالک ذرائع کے ناقص استعمال اور کھیتوں کے ناہموار ہونے کی وجہ سے بھی کھیت میں پانی بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے جس کے ہاتھوں مجبوراً کسانوں کو کھیت کی اونچی جگہوں پر کافی پانی لگانا پڑتا ہے۔ 'لیزر لیولنگ' (Laser Levelling) تک رسائی تاحال بہت محدود ہے کیونکہ حکومت نے محض کچھ یونٹ بنائے ہوئے ہیں جبکہ نجی شعبہ کسانوں کو ان خدمات کی فراہمی پر کام نہیں کر رہا۔

آبی استحقاق: پانی کی قابل اعتبار دستیابی آبی استحقاق کے شفاف تعین اور نفاذ سے جڑی ہے تاکہ تمام متعلقہ فریق پانی سے برابر اور بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔ پاکستان میں سندھ طاس کے نظام آبپاشی پر آبی استحقاق کی غیر معمولی حد تک طویل اور پختہ روایت چلی آ رہی ہے۔ 1991 کا آبی معاہدہ اس لحاظ سے تاریخی کامیابی کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں ہر صوبے کا اور صوبے کے اندر کینال کمانڈز کی سطح پر استحقاق واضح طور پر طے کر دیا گیا۔ تاہم اس معاہدے پر غیر شفاف عملدرآمد کی وجہ سے بلوچستان کے مختلف صارفین بالخصوص چھوٹے اور بڑے کاشت کاروں اور 'ٹیل' اور 'اینڈ' کے کنارے والے صارفین میں خاصی بداعتمادی پائی جاتی ہے۔ سیلابی پانی یا زمینی پانی کا آبی استحقاق واضح طور پر طے شدہ نہیں ہے۔ ٹیوب ویل کے ذریعے زمینی پانی نکالنے کی کوئی پابندی نہیں ہے اور اس ذریعہ کو استعمال کرنے کا پورا حق ٹیوب ویل مالک کو حاصل ہے اور اگرچہ ضلعی و صوبائی سطحوں پر زمینی پانی کے لائسنس دینے کے لئے واٹر کمیٹیاں موجود ہیں لیکن ٹیوب ویلوں کی ریگولیشن میں ان کا کردار بڑی حد تک محدود ہے۔ صارفین کو یہ آزادی بھی حاصل ہے کہ وہ ماحول پر مرتب ہونے والے اثرات کا کوئی خیال رکھے بغیر دائمی آبپاشی سکیموں، چشموں اور کاریز سے جتنا چاہیں پانی کھینچ لیں۔ پھر بھی بلوچستان واحد صوبہ ہے جہاں 'گراؤنڈ واٹر ایڈمنسٹریشن آرڈیننس' نافذ ہے جس پر 1978 کے بعد بمشکل عملدرآمد ہوا ہے۔ اس آرڈیننس کا تنقیدی جائزہ اور اس میں ترمیم کر کے اس کے نفاذ کے عملی طریقے نکالنے کی ضرورت ہے۔ ٹیوب ویلوں کی سالانہ رجسٹریشن اور زمینی پانی نکالنے کے لئے سالانہ بنیاد پر پرمٹ کا اجراء بھی ایسے اہم اقدامات ہیں جن پر عمل ضروری ہے۔ اصل مشکل اس وقت یہ ہے کہ قبائلی معاشرے میں ان اصلاحات پر عملدرآمد کس طرح کیا جائے۔

پالیسی، ادارے اور استعداد

بلوچستان واحد صوبہ ہے جو آئی ڈبلیو آر ایم [10] پالیسی تشکیل دے چکا ہے اور صوبائی کابینہ مارچ 2006 میں اس کی منظوری دے چکی ہے۔ تاہم بعض اہم پالیسی اقدامات پر عملدرآمد نہیں ہو پایا کیونکہ ادارہ جاتی فریم ورک غیر موزوں ہے، موجودہ اداروں کی استعداد ناکافی ہے، ادارہ جاتی ڈھانچے ناقص ہیں اور سیاسی عزم کا فقدان ہے۔

آئی ڈبلیو آر ایم پالیسی، 2006 میں آبی وسائل کی مینجمنٹ کے لئے 'بیسن اپروچ' (Basin Approach) اپنانے پر زور دیا گیا ہے کہ پشین-لورا، ناری اور ژوب کے تین دریاؤں جن سے زیادہ پانی نکالا جا رہا ہے، سے شروعات کی جائے۔ پشین - لورا بیسن کے لئے رہنما اصول اور عملی منصوبے وضع کئے جا چکے ہیں جبکہ ناری اور ژوب بیسن پر کام جاری ہے۔ یہ سوچ درست سمت کی جانب ایک قدم ہے اور یہ رہنما اصول اور عملی منصوبے اس سوچ کو آگے بڑھانے میں مدد دے رہے ہیں۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے صحیح معنوں میں عملی جامہ پہنایا جائے۔

گراؤنڈ واٹر ایڈمنسٹریشن آرڈیننس، 1978 میں بلوچستان میں نافذ کیا گیا۔ نئے ٹیوب ویلوں کی تنصیب کے لائسنس دینے کے لئے مختلف علاقوں اور اضلاع میں واٹر کمیٹیاں بنا دی گئی ہیں۔ اصل مسئلہ آئی ڈبلیو آر ایم پالیسی اور گراؤنڈ واٹر ایڈمنسٹریشن آرڈیننس کے موثر نفاذ اور عملدرآمد کا ہے۔ مزید برآں، نئے اور ابھرتے مسائل کی بنیاد پر پالیسی پر نظر ثانی بھی ناگزیر ہے۔

آئی ڈبلیو آر ایم پالیسی میں بلوچستان کے لئے بلوچستان واٹر ریسورسز مینجمنٹ اتھارٹی (بی ڈبلیو آر ایم اے) اور بیسن واٹر بورڈ (بی ڈبلیو بی) بنانے کی سفارش کی گئی لیکن 2017 تک کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ 2018 میں بلوچستان حکومت نے بی ڈبلیو آر ایم اے کے قیام پر کام دوبارہ شروع کیا۔ اسی طرح بی ڈبلیو بی کا ادارہ جاتی فریم ورک بھی بنایا گیا لیکن تاحال اس پر عملدرآمد نہیں کیا گیا۔ مزید برآں بی ڈبلیو آر ایم اے، آئی ڈبلیو آر ایم پالیسی اور گراؤنڈ واٹر ایڈمنسٹریشن آرڈیننس پر عملدرآمد کی ذمہ دار ہوگی۔ جب تک یہ اتھارٹی عمدہ طریقے سے کام شروع نہیں کرتی طاس کی سطح پر پانی کا نظم و نسق ممکن نہیں۔

10 آبی وسائل کا باہم مربوط نظم و نسق (Integrated Water Resources Management)۔

بلوچستان اور صنفی امور

ریحانہ خلجی

سماجی کارکن

صنفی برابری کو پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد میں مرکزی حیثیت حاصل ہے جن کا عہد کرنے والوں میں پاکستان بھی شامل ہے۔ ان وعدوں کو پورا نہ کرنے کا مطلب یہی ہوگا کہ ہم نے سب کی شمولیت پر مبنی اور کسی کو پیچھے نہ چھوڑنے کی سوچ اپنانے کا ایک موقع گنوا دیا۔ اگرچہ ہمارا آئین خواتین کے لئے مساوی حقوق کی ضمانت دیتا ہے لیکن زندگی کے تمام شعبوں میں امتیاز پر مبنی رجحانات کے ساتھ ساتھ ناقص طرز حکمرانی اور معاشرتی رویئے ایسے موزوں حالات مہیا نہیں کرتے جن میں صنفی برابری اور خواتین کی بااختیار حیثیت کو فروغ مل سکے۔

بلوچستان رقبے کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بڑا اور آبادی کے لحاظ سے سب سے چھوٹا صوبہ ہے۔ یہ وسائل سے مالامال ہے لیکن پاکستان کا انتہائی محروم اور پسماندہ خطہ ہے۔ صنفی اشاریوں، خاص طور پر صحت، تعلیم، روزگار، سازگار ٹیکنالوجیز تک رسائی اور شعبہ انصاف تک رسائی پر نظر دوڑائیں تو کوئی عمدہ نتائج دیکھنے کو نہیں ملتے۔ صنفی عدم مساوات اور خواتین کی کمتر حیثیت کی جڑیں گہری ہیں جو مردوں کے زیر غلبہ پدرشاہی نظام، جاگیرداری استحصال، قبائلی ذہنیت، مذہب کی غلط تشریح، تعلیم و آگاہی کی کمی کے علاوہ مرکزی اداروں سے منظم اخراج کی مسلط کی ہوئی ہیں۔ صوبے کی ترکیب بڑی حد تک قبائلی ہے جو بالعموم خواتین کو خاندانی جائیداد میں حصہ دینے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ یہ بلاشرکت غیرے مردوں کا شعبہ ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قومی اور مذہبی دونوں قوانین کے منافی ہے۔ انصاف کے غیر قانونی اور متوازی نظام اکثر اس محکومیت اور اخراج کو مزید بڑھانے کے آلہ کار کا کام دیتے ہیں۔

صوبے میں غربت کی شرح تقریباً 72 فیصد ہے جو سب سے بلند ہے اور شہری علاقوں کے مقابلے میں دیہی علاقوں میں غربت زیادہ ہے۔ یہاں زچہ کی شرح اموات صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پورے جنوبی ایشیا میں سب سے بلند ہے۔ زچہ کی بلند شرح اموات سماجی ناانصافی اور امتیاز کو ظاہر کرتی ہے۔ ماہرین کے مطابق مناسب غذائیت اور پینے کے صاف پانی کی کمی کے علاوہ صحت کی بنیادی سہولیات کا فقدان صوبے میں زچہ و بچہ کی شرح اموات میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ تعلیم، روزگار، رائے دہندگان کے اندراج، وسائل اور سازگار ٹیکنالوجیز تک رسائی اور کنٹرول سمیت جن شعبوں پر بھی نظر دوڑائیں شدید صنفی خلا دیکھنے کو ملتے ہیں۔ موسمیاتی تبدیلی بالخصوص بار بار کی خشک سالی خواتین اور کمزور طبقات کی زندگیوں پر تباہ کن اثرات مرتب کر رہی ہے۔ پانی کی کمیابی کی وجہ سے خواتین کے لئے کام کا بوجھ بڑھ جاتا ہے کیونکہ دوردراز علاقوں سے پینے کا پانی لانا بڑی حد تک انہی کی ذمہ داری ہے۔

افغان جنگ اور گیارہ ستمبر کے بعد کے حالات بلوچستان میں سکیورٹی صورتحال کے لئے تباہ کن رہے ہیں۔ افغان پناہ گزینوں کی ایک بڑی تعداد اس صوبے میں مقیم ہے جس کی وجہ سے ذرائع معاش کی سلامتی اور قدرتی وسائل کے استعمال سے متعلق مشکلات مزید بڑھ گئی ہیں۔ سکیورٹی صورتحال کسی حد تک بلوچستان میں طرز حکمرانی، شدید احساس محرومی اور حقوق سے چشم پوشی و محرومی جیسے دیرینہ مسائل کا شاخسانہ ہے۔ خواتین ان سب باتوں سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہیں کیونکہ وہ فیصلہ سازی کے عمل سے خارج ہیں، دادرسی کے نظاموں تک ان کی رسائی بہت کم ہے اور قیام امن کے عمل میں بھی انہیں شامل نہیں کیا جاتا۔

اس وقت محکمہ ترقی خواتین بلوچستان نچلی سطح پر خواتین سے متعلق مسائل کو دور کرنے کے لئے منصوبہ سازی کر رہا ہے اور صوبے میں خواتین کی بہتری اور ترقی کے لئے سرگرم مختلف این جی اوز اور قومی و بین الاقوامی اداروں کے ساتھ روابط کا کام انجام دے رہا ہے۔ یہ محکمہ قومی عملی منصوبہ برائے خواتین اور 'خواتین کے خلاف ہر طرح کے امتیاز کے خاتمہ کے کنونشن' (سی ای ڈی اے ڈبلیو) کی مختلف دفعات پر عملدرآمد کا بھی ذمہ دار ہے۔ اس محکمے نے صوبے میں خواتین حامی قانون سازی کے حوالے سے بعض عمدہ اقدامات کئے ہیں۔ ان قوانین اور پالیسیوں پر عملدرآمد یقینی بنانے کی ضرورت ہے۔ بلوچستان کی صنفی برابری پالیسی، 2013، میں سماجی، معاشی اور سیاسی اعتبار سے خواتین کو بااختیار بنانے، بحرانی حالات اور لڑکیوں پر تشدد کے خاتمہ کے سلسلے میں خواتین کا قائدانہ کردار بہتر بنانے پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ تاہم اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اخراجات اور عملدرآمد کا کوئی منصوبہ نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کی افادیت محض کاغذوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

گزشتہ سالوں کے دوران اگرچہ افرادی قوت میں خواتین کی شمولیت میں اضافہ ہوا ہے لیکن ابھی بھی وسیع صنفی خلا موجود ہے۔ صوبے میں معاون سہولیات مثلاً کام کرنے والی خواتین کے لئے ہاسٹلز، ڈے کیئر سنٹرز اور صنفی تقاضوں کے مطابق ٹرانسپورٹ جیسی سہولیات کی بھی کمی ہے۔ اگرچہ روایتی طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ خواتین زیادہ تر تعلیم اور صحت کے شعبوں میں ملازمت کرتی ہیں لیکن قانون کی حکمرانی اور دیگر غیر روایتی شعبوں میں ان کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ گھریلو کارکنوں کے لئے تحفظ کا بھی فقدان ہے۔

رائے دہندگان کا صنفی خلاء یوں تو پورے ملک میں پایا جاتا ہے لیکن بلوچستان میں صورتحال بدتر ہے۔ اگرچہ صوبائی اسمبلی میں خواتین کے لئے گیارہ مخصوص نشستیں موجود ہیں پھر بھی مقامی خواتین کو حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے کہ وہ بطور امیدوار بلاواسطہ انتخاب میں بھی حصہ لیں۔ سیاسی جماعتوں کے علاوہ صوبائی کابینہ، قائمہ کمیٹیوں اور مقامی حکومتوں میں فیصلہ سازی کی سطح پر بھی خواتین کی بھرپور شمولیت کی حوصلہ افزائی اور اسے مستحکم بنانے کی ضرورت ہے۔

معاشی لحاظ سے خواتین کی بااختیار حیثیت صوبے کی معاشی و پائیدار ترقی اور خوشحالی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ آنے والے دنوں میں خواتین کو چین پاکستان اقتصادی راہداری جیسے نئے مواقع کے ثمرات سے فیضیاب کرانا ہے تو ان کی بااختیار حیثیت اس کے لئے بنیادی شرط ہے۔ ایسی پالیسی اصلاحات اور معاون قوانین متعارف کرانے کی ضرورت ہے جو شخصی وقار اور احترام کی بنیاد پر خواتین کے معاشی حقوق کی ضمانت دیں اور ان میں بہتری لائیں۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ بلوچستان کے عوام کے لئے یکساں رسائی اور مواقع یقینی بنائے جائیں۔ خواتین کو ان کا جائز حصہ ملنا چاہئے اور ان سرگرمیوں سے انہیں بھی فائدہ پہنچنا چاہئے۔ مقامی لوگوں کو مدد دینے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو بہتر بنائیں اور دوسری جانب ان کے ترقیاتی تصورات کی تشکیل میں ان کی آراء اور ترجیحات کو شامل کیا جائے۔

کسی بھی خطے کی ترقی کے عمل کی تشکیل اس طرح ہونی چاہئے کہ یہ لوگوں

کے عملی اور سٹریٹجک صنفی مفادات سے ہم آہنگ ہو۔ یہی معاملہ بلوچستان کا ہے۔ محفوظ ماحول، صحت، تعلیم اور تربیت کی سہولیات، پینے کے صاف پانی، روزگار کے مواقع، دور دراز علاقوں کو بڑے قصبوں اور شہروں سے جوڑنے والے بنیادی ڈھانچے، بجلی اور مناسب غذائیت کی فراہمی اور صحیح معنوں میں شمولیت کو صوبے کے کسی بھی ترقیاتی پالیسی

پروگراموں میں مرکزی حیثیت ملنی چاہئے۔ خواتین کے لئے معاشی و سماجی گنجائش بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ رویوں اور برتاؤ کے مسائل سے نمٹنے کے لئے سب کو مل کر ایک جوابی بیانیہ کی ترویج کرنا ہوگی۔ میڈیا، شعبہ تدریس اور سول سوسائٹی کا کردار اس سلسلے میں کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔

مقتدر ڈھانچوں کو ادارہ جاتی اصلاحات کے ذریعے چیلنج کرنا ہوگا۔ سیاسی عزم چونکہ سب کی شمولیت پر مبنی ترقی کے لئے اہمیت کا حامل ہے اس لئے امید کی جاتی ہے کہ نئی حکومت اس ضمن میں ٹھوس اقدامات کرے گی۔

حکومت کے لئے اہم سفارشات

1. بلوچستان میں صنفی برابری اور خواتین کی بااختیار حیثیت پر ایک جامع پالیسی اور قانون سازی کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی کام محکمہ ترقی خواتین گزشتہ چند سالوں کے دوران پہلے ہی کر چکا ہے۔ پالیسی کے ساتھ عملدرآمد کا عمدہ منصوبہ بھی ہونا چاہئے۔

2. بلوچستان میں خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے اسی طرح کثیر شعبہ جاتی پیکج کا اعلان کیا جائے جس طرح پنجاب میں کیا گیا ہے اور اس کے لئے مطلوبہ وسائل مختص کئے جائیں۔

3. خواتین کے بھرپور تحفظ کے لئے معاون قانونی و انتظامی اقدامات کئے جائیں، مثلاً کم عمری کی شادی کی ممانعت، گھریلو کارکنوں کا تحفظ، تیزاب پھینکنے کے واقعات کی روک تھام اور ان سے بحالی کے اقدامات، حق وراثت، نوجوانوں کو بااختیار بنانے کی پالیسی اور لڑکیوں کا تحفظ۔

4. گھریلو کارکنوں کے تحفظ کی پالیسی کی منظوری دی جائے اور اس پر عملدرآمد کیا جائے۔

5. صنفی پالیسی کو تمام دیگر پالیسیوں کے مرکزی دھارے میں لایا جائے تاکہ تمام محکمے اپنے متعلقہ شعبوں میں پائے جانے والے صنفی خلاء کی نشاندہی پر جوابدہ ہوں اور اس خلاء کو دور کرنے کے لئے ٹھوس اقدامات کی منصوبہ بندی کر سکیں۔ اسی طرح صنف کو امن، سلامتی اور تجارت سے متعلق پالیسیوں کے بھی مرکزی دھارے میں لایا جائے۔

6. خواتین کے لئے ملازمتوں کے موجودہ کوٹہ پر عملدرآمد یقینی بنایا جائے اور اسے مزید دس فیصد تک بڑھایا جائے۔

7. خواتین کو سی پیک اور دیگر معاشی سرگرمیوں میں ضم کرنے اور ان کی شمولیت یقینی بنانے کے لئے صوبائی حکمت عملی وضع کی جائے۔

8. محکمہ ترقی خواتین کو استعداد، وسائل اور رابطہ و رسائی کے اعتبار سے مستحکم بنایا جائے تاکہ یہ دیگر محکموں کو صنفی تقاضوں سے ہم آہنگ پالیسی، منصوبہ سازی اور پروگرام مینجمنٹ میں تکنیکی رہنمائی اور معاونت فراہم کر سکے۔

9. قانون کی حکمرانی کے شعبے میں خواتین کی نمائندگی بہتر بنائی جائے جس سے انصاف اور تحفظ تک رسائی میں مدد ملے۔ بلوچستان میں قانون کی حکمرانی کے روڈمیپ پر عمل کیا جائے۔

10. خواتین اور لڑکیوں کے لئے سازگار ٹیکنالوجیز کے استعمال کو فروغ دیا جائے۔

11. مقامی حکومتوں کے نظام میں اصلاحات کے ذریعے ان میں احتساب کے نظام کو بہتر بنایا جائے، خدمات کی فراہمی بڑھائی جائے اور صنفی تقاضوں سے ہم آہنگ پائیدار ترقی کو یقینی بنایا جائے۔ نچلی سطح پر اور کمیونٹی کی سطح پر خواتین کی زیر قیادت کام کرنے والے اداروں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ ان کمیونٹی تنظیموں کو پھر ضلعی اور صوبائی سطح کے اداروں سے جوڑا جائے تاکہ پالیسی ایڈووکیسی کی سرگرمیاں ممکن ہوں اور طرز حکمرانی اور احتساب کے عمل میں بہتری آئے۔ نئی حکومت کو چاہئے کہ وہ مقامی حکومتوں کا ایک عمدہ ماڈل متعارف کرانے کے لئے اقدامات کرے۔ تمام منصوبے مقامی سطح پر بنائے جائیں، جن میں خواتین اور کمیونٹی کے کمزور طبقات کی بھرپور شمولیت یقینی بنائی جائے۔

بلوچستان میں مواقع: روشن مستقبل کی نوید

محمد نوید افتخار

پبلک پالیسی ایڈوائزر

بلوچستان میں ترقی کی مختلف راہیں کھل رہی ہیں اور ایک نئی صبح اس صوبے کی منتظر نظر آتی ہے۔ یہ نئی راہیں جہاں نئے مواقع پیش کرتی ہیں وہیں اصل سوال یہ ہے کہ کیا ہم ان تمام مواقع کو حقیقت کا روپ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بلوچستان، چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) کا مرکز بننے والا ہے کیونکہ اس تجارتی روٹ کا بام عروج گوادر میں بننے والی نئی بندرگاہ ہے جو صوبہ بلوچستان میں واقع ہے۔ تاہم اس بات کو یقینی بنانا ابھی باقی ہے کہ گوادر کے عوام سی پیک اور اس سے متعلقہ تجارتی و معاشی سرگرمیوں کے ثمرات سے کب اور کیسے مستفید ہوں گے۔ زیر نظر تحریر میں انہی مواقع پر بات کی گئی ہے اور ان سرگرمیوں کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے جو صوبہ بلوچستان کے لئے بہت ضروری ہیں۔

بلوچستان کی غیر گنجان آباد زمین صوبے کی سماجی و معاشی اور سیاسی ترقی کے لئے پیچیدہ مشکلات پیدا کرتی ہے۔ تعلیم، صحت اور روزگار جیسے کلیدی شعبوں میں فراہمی خدمات کے اشاریئے اور آمدنی کی عدم مساوات اس خطے کو درپیش منفرد مشکلات کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے خطہ پاکستان کی ترقی کی سرگرمیوں (مثلاً آبپاشی اور ریل / روڈ نیٹ ورک وغیرہ) کا زیادہ تر زور پنجاب اور سندھ میں رہا ہے۔ ان خطوں میں ترقیاتی سرگرمیوں کے ارتکاز کا جزوی سبب یہ رہا کہ یہاں قدرتی وسائل کی بہتات ہے، صنعتی سرگرمیاں ہیں اور آبادی گنجان ہے۔ تاہم سی پیک کی بدولت امید پیدا ہوئی ہے کہ بلوچستان کو اپنی تاریخ میں پہلی بار ان سرگرمیوں میں اپنا حصہ ملے گا اور یہاں بھی سڑکوں کے جال بچھیں گے جن سے رابطوں میں مدد ملے گی اور کاروباری سرگرمیوں کو فروغ ملے گا۔

وسط ایشیائی ریاستوں کے ٹرانزٹ ٹریڈ روٹس کے لئے بلوچستان کے جغرافیائی وسٹریٹجک محل وقوع کا بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جس کا انحصار اس بات پر ہے کہ پاکستان تجارتی قواعد اور استعداد پیدا کرلے اور افغانستان میں امن قائم ہوجائے۔ ماضی میں ہم افغان ٹرانزٹ ٹریڈ میں دیکھ چکے ہیں کہ ٹرانزٹ سامان کے ضیاع اور کسٹم کلیئرنس کی بوجھل کارروائیوں کی وجہ سے اس کی کارکردگی ناقص رہی۔ لہٰذا اس سے سبق سیکھتے ہوئے ہمیں آئندہ تجارت، ٹرانسپورٹ ولاجسٹک سہولیات اور قواعد کی اصلاح کرلینی چاہئے۔ اسی طرح کوئٹہ اور گوادر کو کراچی اور سندھ کے دیگر شہروں کے ساتھ جوڑنے اور سڑکوں کے موجودہ نیٹ ورکس کی بہتری اور توسیع سے ملکی تجارتی سرگرمیوں کے لئے بھی نئے مواقع سامنے آسکتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تجارتی روٹس اپنے ساتھ وسیع ثمرات لائیں گے لیکن ترقی کے سماجی پہلو کو اولین ترجیح ملنی چاہئے۔ بلوچستان کے عوام کے لئے تعلیم، صحت، نقل وحرکت، امن وامان اور مہارتوں کی ترویج یقینی بنانا خاص طور پر اہم ہے۔ وہ تبھی ان ابھرتے ہوئے مواقع کے ثمرات سے مستفید ہوپائیں گے کہ وہ خاطر خواہ مہارتوں سے لیس ہوں۔ بصورت دیگر ان مواقع سے بلوچستان کی ممکنہ محرومی مستقبل کی ترقی کے لئے پیچیدگیاں پیدا کردے گی۔

تعلیم اور مہارتوں کی ترویج کے روایتی ماڈلز اس وسیع قطعہ ارضی پر فراہمی خدمات کے مقصد کے لئے موزوں نہیں رہیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صوبے بھر میں تعلیمی مواد کی فراہمی کے لئے سرکاری و نجی شعبے کی پارٹنرشپ اور غیر روایتی طریقوں سے کام لیا جائے۔ وفاقی وزارت انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ادارے 'اگنیٹ' (IGNITE) نے کوئٹہ میں ایک 'نیشنل انکیوبیشن سنٹر' (National Incubation Center) قائم کیا ہے جو جلد کام شروع کرنے والا ہے جہاں بلوچستان کے سٹارٹ اپس (Startups) اور نئی فرموں کو ابتدائی کاروباری سرگرمیوں (Incubation) کا موقع ملے گا۔ یہ واقعی اس صوبے کے لئے اچھی خبر ہے کیونکہ اس سے مقامی سطح پر انٹرپرینیورشپ (Entrepreneurship) کو فروغ ملے گا۔ حکومت بلوچستان کو ایسی سرگرمیوں کی حمایت کرنی چاہئے جن سے مقامی سطح پر نوجوان انٹرپرینیورز کی تربیت وترویج کے مراکز وجود میں آئیں اور یہ لوگ نئے تجارتی روٹس پر پاکستان کے اندر اور باہر 'ویلیو چین' (Value Chain) کا حصہ بن سکیں۔

گوادر بندرگاہ اور شہر کی ترقی یقیناً بلوچستان اور پاکستانی معیشت کے لئے اہم ہے۔ تاہم مکران کے ساحلی خطے کی تاریخی محرومیوں نے اس خطے کے لوگوں پر پسماندگی کے دیرینہ نقوش چھوڑے ہیں۔ اگر گوادر کو تمام متعلقہ فریقوں کے لئے فائدہ مند بنانا ہے تو خطے کی ترقی کے لئے لوگوں کو مرکزی حیثیت دینے والی سوچ پر چلنا ہوگا۔ گوادر پانی، تعلیم اور صحت سہولیات کی کمی کا شکار ہے۔ حال ہی میں پاکستان آرمی نے صحت اور تعلیم کی سہولیات فراہم کرنے کے لئے کچھ پروگرام شروع کئے ہیں لیکن خلاء بہت بڑا ہے اور اسے پر کرنے کے لئے وفاقی اور صوبائی دونوں حکومتوں کو مل کر کوششیں کرنا ہوں گی۔ ساتویں قومی مالیاتی کمیشن سے فراہمی خدمات کو بہتر بنانے میں کچھ مدد مل سکتی تھی لیکن تاحال اس کے بھرپور نتائج سامنے نہیں آسکے۔

گوادر شہر کے اصل منصوبے میں مقامی آبادی کی یہاں سے دوسری جگہ منتقلی شامل تھی تاکہ یہاں بندرگاہ اور زمینی ٹرانسپورٹ کی سرگرمیوں کے لئے گنجائش پیدا کی جاسکے۔ بلاشبہ یہ منصوبہ کئی حوالوں سے نقصان دہ تھا۔ اب ایک نیا ماسٹر پلان تیار کیا جارہا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اب جو نیا شہر بنے گا اس میں گوادر کے شہریوں کے رہنے کے اولین حق کا خیال رکھا جائے گا۔ پرانے قصبے کو ایک کھلے ولیج میں تبدیل کردیا جائے جس سے سیاحتی صنعت کو فروغ مل سکتا ہے۔ پرانے گوادر کی ثقافت اور ورثے کے تحفظ اور نوجوان نسل کو سی پیک کی بدولت تشکیل پانے والی نئی معیشت میں ضم کرنے کے لئے ایک بھرپور ثقافتی حکمت عملی وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ سٹی گورنمنٹ کو اس سلسلے میں فعال کردار ادا کرنا ہوگا۔ مقامی حکومت کی زیادہ خودمختاری اور ان تقاضوں سے ہم آہنگ سوچ مقامی لوگوں کا معیار زندگی بہتر بنانے میں کلیدی کردار ادا کرے گی۔ پراپرٹی سے متعلق قیاس آرائیوں کی وجہ سے پہلے ہی بعض رکاوٹیں پیدا ہوچکی ہیں۔ اس سے پہلے کہ صورتحال مزید ابتر ہوجائے بہتر یہی وقت ہے کہ گوادر کو رئیل اسٹیٹ کی قیاس آرائیوں پر مبنی مارکیٹ بنانے کے بجائے ایک اکنامک سٹی کے طور پر ترقی دی جائے جہاں اراضی کے استعمال کی مناسب پالیسیاں اپنی جگہ موجود ہوں۔

تجارتی روٹس بننے سے بلوچستان کی معدنیاتی صنعت کو بھی فروغ ملے گا۔ تاہم صوبے میں معدنیات کی جامع نقشہ بندی نہیں کی گئی [1]، جس کی وجہ

[1] یونیورسٹی آف ڈیلاویئر کے پروفیسر سلیم ایچ علی معدنیاتی صنعتوں پر تحقیق اور مشاورت کا عالمی تجربہ رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ معدنیات اور کانوں کے بارے میں زیادہ تر تخمینے نامکمل شواہد پر مبنی ہیں۔ ان کی ایک تحریر 2013 میں نیشنل جیوگرافک میں شائع ہوئی جس میں وہ لکھتے ہیں کہ: ''پاکستانی میڈیا کو شدید قوم پرست ماہرین ارضیات جن کے پاس حقائق کے بارے میں شواہد محدود ہوتے ہیں اور جو کسی ذخائر کی مالیت اور انہیں نکالنے کے لئے پاکستان کی تکنیکی مہارت کے بارے میں کھلی مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں، کے انٹرویو کرنے کے بجائے بین الاقوامی ماہرین ارضیات سے مشورے لینے کی زیادہ کوشش کرنی چاہئے جو کسی پراجیکٹ کی ترقی میں کوئی مخصوص مفاد نہ رکھتے ہوں۔''

سے غیر ملکی سرمایہ کاری کو یہاں لانے میں مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ صوبے کی اس اصل استعداد کو صحیح معنوں میں بروئے کار لانے کے لئے پاکستان کو ان بین الاقوامی فورمز کا حصہ بننا ہو گا جن کے ذریعے معلومات اور وسائل کا تبادلہ ہوتا ہے اور جو بلوچستان میں معدنیاتی شعبے کی ترقی میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر افریقی، کریبین اور پیسفک گروپ کی ریاستوں میں یورپی یونین کی مدد سے یونائیٹڈ نیشنز منزل ڈویلپمنٹ پروگرام پر عملدرآمد کیا گیا ہے جس سے ان علاقوں کو شاندار فوائد پہنچے ہیں۔

مزید برآں، ریکوڈک معاہدے کی منسوخی کے بعد بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی معتبر حیثیت کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ ملکی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر نجی شعبے کی شمولیت کے بغیر یہ وسائل اپنی بھرپور استعداد سے روشناس نہیں ہو سکتے۔ اس حوالے سے چلی کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے جس سے پاکستان بہت کچھ سیکھ سکتا ہے اور اس ملک کے ساتھ اشتراک عمل کے ذریعے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔

بلوچستان میں سرکاری و نجی شعبے کی پارٹنرشپ کا نیا قانون مختلف معاشی و سماجی شعبوں بالخصوص صوبے کے قدرتی وسائل کو بروئے کار لانے میں پارٹنرشپس کو آزمانے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ تاہم یہاں اس بات پر زور دینا انتہائی ضروری ہو گا کہ ان وسائل کو بروئے کار لانے سے جو ثمرات حاصل ہوں گے ان کا بڑا حصہ مقامی کمیونٹیز کو منتقل ہو۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ماضی میں یہاں ایسا نہیں کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بلوچستان کے عوام اعتماد کی شدید کمی کا شکار ہیں اور صوبے میں کسی مثبت پیشرفت پر بھی ان کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حکومت بلوچستان کو صوبے کی معاشی پالیسیوں کے تجزیہ اور تشکیل کے لئے بھی اپنی استعداد بہتر بنانا ہو گی۔ بلوچستان ریونیو اتھارٹی کے قیام کے حالیہ اقدام سے ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلہ ساز ان تقاضوں سے باخبر ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ صوبے میں معاشی مواقع بہت ہی کم ہیں۔ حکومت بلوچستان کو اپنے سرکاری اخراجات اور پالیسیوں کا رخ اس طرح موڑنا ہو گا کہ ان سے تجارت، معدنیاتی ترقی اور زراعت کے شعبوں میں اس طرح کے معاشی مواقع پیدا ہوں اور ساتھ ساتھ ٹیکس موبلائزیشن کا سلسلہ بھی آگے بڑھے۔

اب جبکہ بلوچستان میں غیر ملکی اور ملکی سرمایہ کاری بڑھتی نظر آ رہی ہے تو بہتر یہی لگتا ہے کہ ایک ایسا فریم ورک وضع کیا جائے جس کے تحت جہاں جہاں ان منصوبوں پر عملدرآمد ہو ان سے مقامی لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ مثال کے طور پر او ای سی ڈی[2] کی ایک رپورٹ میں بندرگاہ والے شہروں میں مقامی کمیونٹیز کو ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: ''بندرگاہوں کے لئے مقامی آبادی کی مدد کرنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ ان کی سرگرمیوں کے لئے لائسنس کا کام دے اور ایک جائز معاشی کردار کے طور پر ان کی حیثیت برقرار رہے... بندرگاہوں والے جو شہر کامیاب رہے ہیں اور جو پوری طرح کامیاب نہیں ہو پائے یا جہاں ترقی کا جھکاؤ ایک خاص سمت میں زیادہ رہا ہے ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ کامیاب شہروں کے مقامی لوگوں اور کاروباری برداری میں ایک احساس تفاخر اور احساس ملکیت پایا جاتا ہے''۔ یہ بات نہ صرف گوادر پر صادق آتی ہے بلکہ یہی اصول بلوچستان میں ہونے والی دیگر غیر ملکی و ملکی سرمایہ کاری پر بھی لاگو ہونا چاہئے۔ تاہم نجی شعبہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بلوچستان کے محروم علاقوں کی ترقی کے حوالے سے انقلابی اقدامات کرنے کی ذمہ داری سے مبرا ہے۔

بلوچستان میں ابھی زرعی ترقی کی بھرپور استعداد کو بروئے کار نہیں لایا گیا حالانکہ یہاں وسیع اراضی موجود ہے۔ زرعی ترقی سی پیک کے تحت تعاون کے سات شعبوں میں سے ایک ہے۔ لہٰذا سی پیک روٹس کے ساتھ ساتھ فوڈ پراسیسنگ اور پیکیجنگ زونز کے قیام کی بھرپور استعداد موجود ہے۔ اس سے مقامی پیداوار مثلاً سیب، کھجور، خوبانی، آڑو وغیرہ کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو گا۔ یہ صوبہ نقد فصلوں کی پیداوار مثلاً زعفران کی کاشت کے لئے بھی اہم ثابت ہو سکتا ہے۔ لائیو سٹاک (حلال گوشت کی برآمد) ایک اور شعبہ ہے جو برآمدات بڑھانے میں انتہائی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ تاہم ان تمام باتوں کے برعکس پانی کی قلت اور اس کا عمدہ استعمال، ٹیوب ویل سب سڈیز، نئی ٹیکنالوجیز کے بارے میں آگاہی کی کمی، بجلی کی قلت اور زرعی مصنوعات کی نامناسب مارکیٹنگ، بدستور بڑے چیلنج ہیں۔ فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ زرعی شعبے میں پانی کے عمدہ استعمال کو بہتر بنانے کے لئے جدید ٹیکنالوجیز اور کاشت کاری کے طریقوں کو استعمال میں لایا جائے جس سے زرعی شعبے میں رسائی اور برابری بہتر بنانے میں مدد مل سکتی ہے۔

بلوچستان کی طویل ساحلی پٹی سیاحت کے لئے شاندار مواقع پیدا کرتی ہے۔ مکران کوسٹل ہائی وے سے آگے بحیرہ عرب کے ساتھ ساتھ ریزارٹس بنا دیئے جائیں تو ان سے صوبے کو شاندار ریونیو حاصل ہو سکتا ہے۔

قصہ مختصر، بلوچستان کو نوجوان نسل کی بنیادی تعلیم اور مہارتوں کی ترویج کے لئے پارٹنرشپس اور جدت پر زور دینا ہو گا، گوادر شہر کا طرز حکمرانی بہتر بنانا ہو گا، مقامی کمیونٹی کو نئی معیشت میں ضم کرنا ہو گا، زراعت، سیاحت اور معدنیات کی صنعتوں کی پیداواری صلاحیت اور مارکیٹنگ پر توجہ دینا ہو گی اور خوشحالی کے ثمرات میں مقامی آبادی کو شریک بنانا ہو گا۔ بڑے شہروں میں بہتر طرز زندگی اور معاشی مواقع میسر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے دیہی علاقوں کے لوگ ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، لہٰذا یہاں بڑے شہروں کو ترقی دی جائے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے مختلف شعبوں اور کرداروں کی پارٹنرشپ سے ایک بھرپور فریم ورک وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے بعض آئیڈیاز کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے مزید تحقیق اور سب کی شمولیت پر مبنی مشاورتی عمل کی ضرورت ہے۔

2 آرگنائزیشن فار اکنامک کوآپریشن اینڈ ڈویلپمنٹ

نوجوان: بھولی بسری ترجیح

فاطمہ ننگیال خان

کارکن انسانی حقوق و ماہر ترقیاتی امور

شکل 1: نوجوانوں کی ترقی کا انڈکس

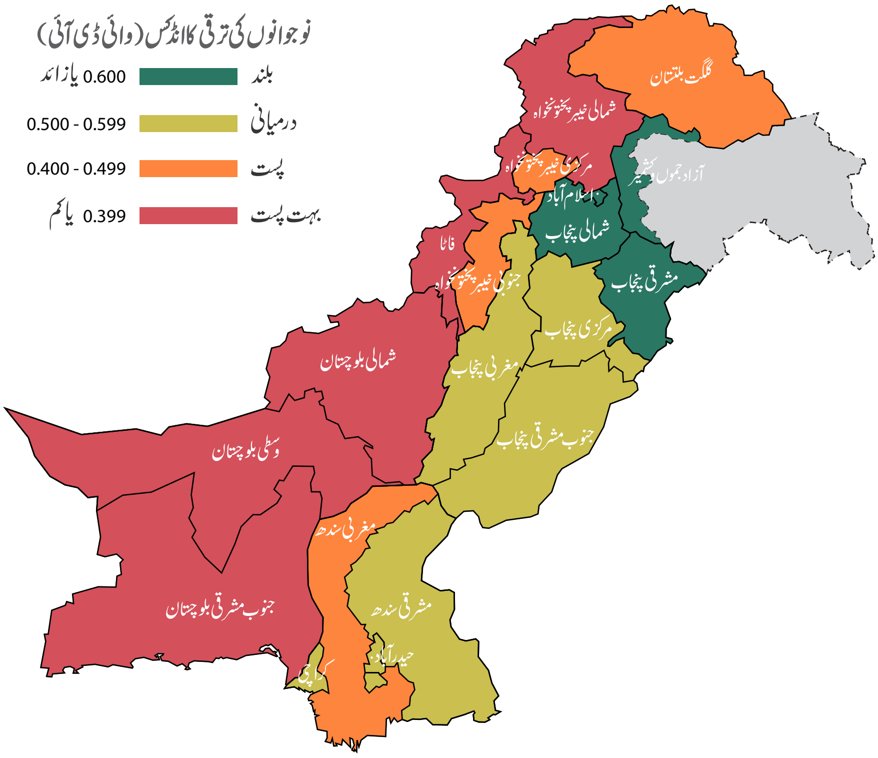

ذریعہ: یو این ڈی پی (2017)، پاکستان نیشنل ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ، 2017[1]

بلوچستان میں نوجوانوں کی ترقی کی صورتحال انتہائی ناقص ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ملک کے باقی علاقوں کے مقابلے میں انتہائی ناگفتہ بہ ہے (شکل 1)۔ اس کی ایک بڑی وجہ تعلیم اور روزگار کی کمی ہے۔ سب سے پہلے تو کئی نوجوانوں کو تعلیمی اداروں میں داخل ہونے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ جو داخل ہو جاتے ہیں اور ڈگریاں حاصل کر لیتے ہیں، انہیں روزگار کے مواقع کی کمیابی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور یوں یہ چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے۔

آگے بڑھنے کی جستجو اور خوشحالی کی تلاش میں تعلیم اور روزگار کے متلاشی نوجوان دوسرے صوبوں اور بڑے شہروں کا رخ کر لیتے ہیں۔ تاہم ڈومیسائل اور وہاں آباد ہونے کے مسائل کے ہاتھوں بالآخر انہیں لوٹ کر گھر آنا پڑتا ہے یا ان شہروں میں کم اجرت والی ملازمتیں کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بلوچستان کے معاملے میں افرادی قوت میں نوجوانوں کی شمولیت 44.44 فیصد ہے جو تاریخی طور پر دیگر صوبوں کے مقابلے میں کم رہی ہے اور گزشتہ ستر سال کے عرصے میں یہاں نوجوانوں کے روزگار کے لئے کوئی حکمت عملی یا پالیسی نہیں بنائی گئی۔

صوبے میں دو طرح کے نوجوان ہیں۔ ایک وہ جنہیں جاگیرداری اور/یا سیاسی پس منظر ورثے میں ملتا ہے اور دوسرے وہ جن کا تعلق عام گھرانوں سے ہے۔ اول الذکر طبقے کے نوجوانوں کی زندگی قدرے آسان ہوتی ہے اور انہیں کئی طرح کے مواقع میسر ہوتے ہیں جبکہ مالی وسائل بھی وافر ہوتے ہیں۔ البتہ موخر الذکر نوجوانوں کے حصے میں مالی اعتبار سے، مواقع کے لحاظ سے اور مستحکم زندگی کے اعتبار سے، سب سے زیادہ مشکلات آتی ہیں۔

نوجوانوں کی پالیسی کا مسودہ اپنی جگہ موجود ہے لیکن اس کی منظوری ہنوز التواء کا شکار رہے۔ این ایف سی ایوارڈ کے بعد نوجوانوں کی ترقی کے پروگرام کے لئے کوئی رقوم مختص نہیں کی گئیں۔ نوجوانوں کو وظائف، کیریئر کے بارے میں مشورے، استعداد میں بہتری کی شکل میں بھی محدود مواقع میسر ہیں۔ ان حالات میں جہاں نوجوانوں کے لئے بنیادی نوعیت کی سرگرمیاں بھی ناپید ہیں معذور افراد یا نوجوان خواتین کی معاونت کرنے اور انہیں ساتھ ملانے کا ذکر کہیں سے سننے کو بھی نہیں ملتا۔

غیرت کے نام پر قتل، کم عمری کی شادیاں، منشیات کا استعمال، پرتشدد انتہاپسندی کی سرگرمیاں وغیرہ، یہ سب نوجوانوں کے لئے مواقع کی اسی محرومی کا نتیجہ ہیں۔ افرادی سمگلنگ بے دریغ ہے۔ اس سے پہلے کہ نوجوانوں کی بڑی تعداد کی شکل میں موجود موقع کا دروازہ بند ہو جائے، صوبے کو بچانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا اور ابھی کرنا ہوگا۔

ماضی میں کئی آئیڈیاز حکومت کے سامنے رکھے جا چکے ہیں۔ نوجوانوں کی روزگار پالیسی وضع کی گئی جس میں تجویز کیا گیا کہ صوبے کی سات سرکاری یونیورسٹیوں میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے وال دس نوجوانوں کو منتخب کیا جائے اور انہیں مختلف سرکاری محکموں میں رکھا جائے۔ یہ سفارش بھی کی گئی کہ منتخب امیدواروں کو کچھ مشاہرہ بھی دیا جائے۔ اس سے نہ صرف انہیں کچھ نہ کچھ آمدنی میسر ہوگی بلکہ ایک طرف نوجوانوں کو تربیت دینے اور ان کی صلاحیتیں کام میں لانے میں مدد ملے گی اور دوسری جانب مستقبل کے لئے تربیت یافتہ افرادی قوت بھی تیار ہوگی۔ پالیسی میں یہ سفارش بھی کی گئی کہ نوجوانوں کو پیشہ ورانہ تربیت فراہم کی جائے جس میں انہیں وسیع ساحلی پٹی کے ساتھ ماہی گیری اور دیگر صنعتوں میں کام کرنے کے لئے ضروری صلاحیتوں سے لیس کیا جائے۔ یہ شعبہ صوبے کے لئے وسیع مواقع کا حامل ہے اور یہ سفارش کی گئی کہ نوجوانوں کو کام پر لگایا جائے تاکہ اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکے۔

چین پاکستان اقتصادی راہداری ایک اور شعبہ ہے جس کی بدولت

1 یو این ڈی پی (2017) 'پاکستان نیشنل ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ، 2017'۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.pk.undp.org/content/dam/pakistan/docs/HDR/PK-NHDR.pdf

بلوچستان کے لئے مواقع پیدا ہو رہے ہیں۔ طویل مدت میں یہ صوبے کے لئے روزگار کے اضافی مواقع کی نوید بن سکتا ہے۔ نوجوان تبھی اس تبدیلی کا حصہ بن سکتے ہیں کہ ان کے اندر وہ مطلوبہ مہارتیں پیدا کر دی جائیں جو ملازمتوں اور خاص طور پر اچھی ملازمتوں کی مانگ ہیں۔ لہٰذا نوجوانوں کی پیشہ ورانہ تربیت پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

سیاسی سطح پر احساس ملکیت اور حکومتی عزم ترقیاتی بحث میں نوجوانوں کو شامل کرنے کے لئے ایک جزو لازمہ ہے۔ اس عمل میں بالکل نچلی سطح سے نوجوانوں کو ساتھ ملایا جائے۔ مقامی سطح پر نوجوانوں کے لئے مشاورتی سیشنز کی ضرورت ہے تاکہ فیصلہ سازی کے عمل میں ان کی شمولیت یقینی بنائی جا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ والدین کو بھی اس عمل کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے تاکہ ان کی بات بھی سنی جا سکے کہ وہ اپنے بچوں کو سکول کیوں نہیں بھیج پاتے۔ گزشتہ سال نومبر میں حکومت بلوچستان نے وزیراعظم کے یوتھ پروگرام کے اشتراک سے نوجوانوں کی ترویج کی حکمت عملی کی تیاری کے سلسلے میں سلسلہ وار مشاورتی سیشنز کا انعقاد کیا۔ تاہم اس کے بعد کوئی نمایاں پیشرفت دیکھنے میں نہ آئی۔

ایک اور لازمی پہلو جسے حکومتی منصوبہ بندی کے دوران زیرِ غور لانا ضروری ہے، یہ ہونا چاہئے کہ نوجوانوں کو مختلف سکیموں اور وظائف کے تحت بیرون ملک بھجوانے کے بجائے انہیں صوبے کے اندر ہی کام پر لگایا جائے۔ نوجوانوں کی تربیت اور پھر انہیں ملازمتوں پر رکھوانے کے لئے بیرون ملک بھجوانے کی سرگرمیاں اچھی لیکن ان کی بدولت مقامی معیشت کی ترقی کے مواقع محدود رہ جاتے ہیں۔ اگر حکومت ان نوجوانوں کو بامعنی طور پر ساتھ ملانے کے مقامی مواقع پیدا کر دے تو اس سے نہ صرف معیشت کو فائدہ پہنچے گا بلکہ حقیقت میں اس سے 'برین ڈرین' میں کمی آئے گی، یہ نوجوان بااختیار ہوں گے اور صوبے میں ترقی کی رفتار تیز ہو گی۔

آخری بات، میرٹ کی بنیاد پر ملازمتوں پر سب سے زیادہ زور دیا جائے۔ اس صوبے کے نوجوان انتہائی باصلاحیت ہیں اور استعداد اور لگن کے اعتبار سے ان کا کوئی ثانی نہیں۔ لیکن بسا اوقات وہ اقربا پروری یا دوست پروری کے ہاتھوں آگے نہیں بڑھ پاتے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم صوبے کی اس توانائی اور استعداد کو بروئے کار لائیں اور اس کے ذریعے مثبت اور تعمیری نتائج ممکن بنائیں۔

انٹرویو

مکرر ارشاد

"....بلدیاتی اداروں کے ذریعے عوامی شمولیت یقینی بنائی جارہی ہے۔"

سردار بابر خان موسیٰ خیل
ڈپٹی سپیکر
صوبائی اسمبلی، بلوچستان

صوبے میں روزگار کی صورتحال کیا ہے؟

فی الوقت سرکاری شعبے میں تقریباً 30 سے 35 ہزار آسامیاں موجود ہیں جن پر ہم تقرریوں کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان میں صحت، تعلیم وغیرہ سمیت ہر طرح کے شعبوں کی ملازمتیں شامل ہیں۔ لہٰذا حکومت اس امر کو یقینی بنانے کے لئے کوشاں ہے کہ روزگار کے مواقع فراہم کر کے غربت کا خاتمہ کیا جائے۔ اس بناء پر دستیاب ملازمتوں کی تعداد کے اعتبار سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ آسامیاں ابھی تک خالی کیوں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ حکومت کی طرف سے تاخیر سے کام لیا گیا۔ اب ہم اس عمل کو آگے بڑھانے اور موزوں لوگوں کو بھرتی کرنے کے لئے کام کر رہے ہیں۔

اس ہدف کے حصول کے لئے حکومت کسی پالیسی یا لائحہ عمل پر کام کر رہی ہے؟

اس وقت حکومت اپنے ایام طفولیت میں ہے۔ عمدہ نتائج دکھانے میں وقت لگتا ہے۔ ہم لوگ آئندہ کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں اور تمام وزارتوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ چند مہینوں میں نتائج سامنے آنے لگیں گے۔

صوبے میں گوادر بندرگاہ، تانبے کی کانوں، وسیع اراضی سی پیک وغیرہ کی شکل میں کئی مواقع موجود ہیں۔ کیا انہیں بھرپور طریقے سے بروئے کار لایا جا رہا ہے؟ یہ صوبے کی ترقی پر کیا اثر دکھا سکتے ہیں؟

ان مواقع کو بروئے کار لانا ہی سب سے بڑا چیلنج ہے۔ مثال کے طور پر سی پیک کو لے لیں۔ دو سو سے زائد افراد کو منتخب کیا گیا جنہیں چینی زبان سیکھنے کے لئے چین بھجوانا تھا۔ تاہم ان میں سے زیادہ تر لوگ پنجاب سے منتخب کئے گئے۔ نئی صوبائی حکومت نے سی پیک کے ثمرات سے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر رکھا ہے اور وہ اس کے ادارہ جاتی ڈھانچے کے لئے مناسب جگہ اور وسائل مختص کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس پراجیکٹ کی بدولت شرح روزگار میں 40 فیصد تک بہتری آسکتی ہے۔ یہی حال گوادر بندرگاہ کا ہے۔ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے داخلی پلیٹ فارم بنائے جائیں جو ان سرگرمیوں پر کام کریں جن کے نتیجے میں روزگار کے مواقع پیدا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت نے شعبہ تعلیم میں بھی مواقع پیدا کرنے کا پختہ عزم کر رکھا ہے۔ کان کنی کی صنعت میں بھی انہی خطوط پر کام کیا جا رہا ہے۔

حکومت کون سی دیگر مشکلات کو دور کرنے کے لئے کام کر رہی ہے؟

اولین ترجیح پانی کا بحران ہے۔ حکومت اس مسئلے پر قابو پانے کے لئے ایک مخصوص ٹیم تشکیل دینے پر کام کر رہی ہے۔

سیکیورٹی اور امن و امان بھی ایک اہم معاملہ ہے جس پر نجی شعبے کو سب سے زیادہ تشویش ہوتی ہے۔ تسلی رکھیں، حکومت اس حوالے سے بھی حالات معمول پر لانے کے لئے سیکیورٹی حکام کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہے۔

آخری مگر اہم بات، بہتر تجارتی راستوں کی ترقی ہے جس سے رابطے بڑھانے اور سفری سہولتیں فراہم کرنے میں مدد ملے گی اور اس سلسلے میں مختلف منصوبوں پر کام جاری ہے۔ علاوہ ازیں، صوبے کے ریکارڈز، انتظامی امور اور سسٹمز وغیرہ کی مکمل ڈیجیٹائزیشن (Digitization) بھی ہماری سرگرمیوں کا ایک اہم شعبہ ہے۔

فیصلہ سازی کے عمل میں عام لوگوں کو کس حد تک شامل کیا جا رہا ہے؟

بلدیاتی اداروں کے ذریعے عوامی شمولیت یقینی بنائی جارہی ہے۔ ضلعی ناظمین، نائب ناظمین اور ان سے آگے کونسلروں کو مختلف فرائض سونپے جائیں گے۔ وہ اس امر کو یقینی بنانے پر جوابدہ ہوں گے کہ عوام کو نہ صرف صوبے کی ترقی کے حوالے سے باخبر رکھا جائے بلکہ انہیں ان تمام کارروائیوں کا حصہ بنایا جائے۔

یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل طلبہ کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر نوجوانوں کے لئے کیا منصوبے مرتب کئے گئے ہیں؟

ہمارا توجہ نوجوانوں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرنے پر مرکوز ہے۔ ایک تجویز ہمارے ذہن میں یہ ہے کہ نوجوانوں کے لئے کیڈٹ کالج قائم کیا جائے۔ اس کے علاوہ صوبے میں ناخواندگی کی بلند سطح سے نمٹنے کے لئے مزید یونیورسٹیوں کا قیام بھی ناگزیر ہے اور ہم آئندہ پانچ سالوں میں اس خلاء کو دور کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آنے والے دنوں میں ہنرمند افرادی قوت کی ضرورت ہوں گے۔

ثناء درانی

چیئر پرسن، بلوچستان ویمن بزنس ایسوسی ایشن
ایگزیکٹو ممبر، چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری

مکرر ارشاد

"..... یہاں بالخصوص نجی شعبے کے لئے کاروبار شروع کرنے پر بھی کوئی خاص مراعات نہیں ہیں۔"

صوبے میں روزگار کی صورتحال کیا ہے؟

بلوچستان میں کوئی بڑا صنعتی زون نہیں ہے جس کی وجہ سے روزگار کا دائرہ ہی محدود رہ جاتا ہے۔ یہاں بالخصوص نجی شعبے کے لئے کاروبار شروع کرنے پر بھی کوئی خاص مراعات نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں، نئے کاروبار میں مدد دینے کے لئے خام مال اور بنیادی ڈھانچے کی کمی ہے۔ افرادی قوت کے اعتبار سے دیکھیں تو شدید صنفی عدم توازن پایا جاتا ہے۔ زیادہ تر خواتین عارضی نوعیت کی ملازمتوں پر کام کر رہی ہیں۔

یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ ہر سال کئی خواتین اپنی تعلیم مکمل کرتی ہیں لیکن ان کی اکثریت افرادی قوت کا حصہ نہیں بنتی۔ اس کا سبب کیا ہے؟

اس کا سبب کام کی جگہوں پر خواتین کے لئے مناسب سہولیات کی کمی ہے۔ سول سروس کا معاملہ اس حوالے سے خاصا دلچسپ ہے۔ اگرچہ کئی خواتین سول سروس کا امتحان پاس کرتی ہیں لیکن مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ سول سیکرٹیریٹ میں صرف خواتین کی ضرورتوں کے مطابق ایک بھی غسل خانہ (ریسٹ روم) یا ڈے کیئر سنٹر نہیں ہے۔ لہٰذا کام کی جگہوں پر اگر خواتین کو بنیادی سہولتیں ہی نہیں ملیں گی تو وہ افرادی قوت میں کیسے نظر آئیں گی؟

کیا حکومت کے پاس روزگار پیدا کرنے میں مدد کے لئے کوئی منصوبے ہیں؟ اس سلسلے میں کن شعبوں پر زور دیا جا رہا ہے؟

حکومت صحت اور تعلیم کے شعبوں کو مزید پرکشش بنانے کے لئے زیادہ توجہ دے رہی ہے۔ خالی آسامیوں کی دوبارہ تشہیر پر بھی کام ہو رہا ہے تاکہ قابل اور موزوں لوگ آئیں۔ تاہم صنفی پہلو کو مدنظر رکھنے کے حوالے سے کوئی خاص کوششیں نہیں ہو رہیں۔

خواتین کو درپیش بعض مشکلات کون سی ہیں اور ان پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے؟

خواتین کی اکثریت ایسی ہے جنہوں نے اپنے گھروں پر چھوٹے کاروبار شروع کر رکھے ہیں۔ ان سرگرمیوں میں مدد دینے اور ان میں بہتری لانے کے لئے مناسب پالیسیوں کی ضرورت ہے اور ان پالیسیوں پر باقاعدہ قانون سازی ہونی چاہئے۔ مثلاً صوبے میں ایمبرائیڈری کی شاندار صنعت موجود ہے۔ خواتین کئی کئی گھنٹے مشقت کاٹتی ہیں لیکن ان کا زیادہ تر کام کسی شمار میں نہیں آتا کیونکہ ان کے پاس اپنی مصنوعات کی مارکیٹنگ کے لئے مناسب علم نہیں ہے۔ یہ وہ شعبہ ہے جہاں انہیں حکومتی مدد ملنی چاہئے تاکہ وہ اپنی مہارتوں کو حتی الوسع حد تک بہتر بنا سکیں۔ اس کے علاوہ مردوں اور خواتین دونوں کی کاروباری مہارتیں بھی بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

سرکاری شعبے کی ملازمتوں کے علاوہ خواتین کے روزگار کے لئے کون سے دیگر مواقع موجود ہیں؟

مہمانداری کا شعبہ تیزی سے ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔ اس شعبے میں کئی خواتین باورچی یا شیف کے طور پر یا فرنٹ ڈیسک کی ملازمتوں پر کام کر رہی ہیں۔ تاہم فرنٹ ڈیسک کی ملازمتوں پر کام کرنے والی خواتین کو ابھی بھی معاشرے میں پوری طرح قبول نہیں کیا جاتا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خواتین کو اکثر رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس شعبے کے علاوہ خواتین قیمتی پتھروں کے کاروبار، لائیو سٹاک اور بیوٹی انڈسٹری میں بھی اپنا کردار ادا کر رہی ہیں اور تقریباً 84 فیصد گھر بیٹھ کر کام کر رہی ہیں۔

آپ کی رائے میں سی پیک صوبے میں روزگار کے مواقع پیدا کرنے میں کس طرح مدد دے گا؟

ابھی ہم سی پیک کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہمارے پاس مطلوبہ تعلیم یا تکنیکی مہارتیں یا زبان کی صلاحیتیں نہیں ہیں۔ ان حالات میں سی پیک سے مقامی لوگوں کو کس طرح فائدہ پہنچے گا؟ نوجوانوں کو ابھی سے تیار کرنا ہوگا تاکہ ان کا اور صوبے کا مستقبل روشن ہو سکے۔

سی پیک سے تجارت اور رابطوں کے نئے مواقع پیدا ہوں گے۔ پہلا کام یہ ہو گیا ہے کہ کوئٹہ سے گوادر تک کا سفر 18 گھنٹے سے کم ہو کر 9 گھنٹے رہ گیا ہے۔ خضدار کے خطے میں بالخصوص صنعتی ترقی کے اعتبار سے مزید مواقع بھی پیدا ہوں گے۔ سرکاری اور نجی شعبے کی پارٹنرشپ کے علاوہ مقامی وسائل کے پھلنے پھولنے کے مواقع بھی پیدا ہوں گے کیونکہ اون کی صنعت کو بھی ترقی ملے گی۔

تاہم سی پیک کے مثبت ثمرات تبھی ملیں گے کہ کاروبار کے سخت قواعد طے کر دیئے جائیں۔ صوبے میں مناسب قوانین کے ساتھ ساتھ مناسب عملدرآمد کا بھی فقدان ہے۔ اگر کوئی ثمرات اٹھانا ہیں تو یہ کام ناگزیر ہیں۔

مکرر ارشاد

"...مقامی ڈسٹرکٹ پولیس افسر کو ساتھ ملایا جائے اور ہمارے مفادات اور ہمارے حقوق کے تحفظ کے لئے ایک مکمل عملی منصوبہ تیار کیا جائے اور اس پر عملدرآمد کیا جائے۔ "

کومل شاہ آفریدی

صدر، ٹرانس جنڈر سوسائٹی، کوئٹہ

غزالہ

رکن، خواجہ سرا برادری

بلوچستان میں خواجہ سرا برادری کو کیا مشکلات درپیش ہیں؟

خواجہ سرا ہونا معاشرے میں بدنامی کا باعث سمجھا جاتا ہے لہٰذا بذات خود یہ نام ہی ہماری برادری کے لئے کئی مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔ اس بناء پر ہماری معاشرتی سرگرمیاں بہت محدود سی رہتی ہیں۔ ہمیں باہر جانے میں، یہاں تک کہ چھوٹے موٹے کاموں مثلاً سودا سلف لانے کے لئے باہر جانے میں بھی کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کیا جاتا ہے، ہمیں شک اور بداعتمادی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمیں تعلیم حاصل کرنے میں، صحت کی سہولتوں تک رسائی میں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے پاس جانے میں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہماری برادری کے لئے اسمبلی میں کوئی نشستیں مخصوص نہیں۔ جب ہماری اپنی حکومت یا ہمارے اپنے لوگ ہمارا خیال نہیں رکھیں گے تو پھر کون رکھے گا؟

ایک اور مسئلہ جو آج کل دن بہ دن بڑھ رہا ہے، دوسری کمیونٹیز کا خواجہ سراؤں کے ساتھ سلوک ہے۔ ہم ایک باادب کمیونٹی ہیں اور ہم کسی طرح کے کوئی فحش کام نہیں کرتے۔ لیکن یہ دوسری کمیونٹیز کے لوگ اپنی عزت کا بھی خیال نہیں رکھتے اور وہ معاشرے میں ہمیں بدنام کر رہے ہیں۔

آپ کی رائے میں ان مسائل پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے؟

اس سلسلے میں پولیس حکام کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔ ہمیں تحفظ کی ضرورت ہے۔ مقامی ڈسٹرکٹ پولیس افسر کو ساتھ ملایا جائے اور ہمارے مفادات اور ہمارے حقوق کے تحفظ کے لئے ایک مکمل عملی منصوبہ تیار کیا جائے اور اس پر عملدرآمد کیا جائے۔

خواجہ سرا برادری کے لئے کس طرح مواقع پیدا کئے جا سکتے ہیں؟

ہماری برادری کے لئے صحت کے مناسب انتظامات کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے لئے الگ میڈیکل وارڈ ہونے چاہئیں۔ ہماری برادری کے لوگوں کو پیشہ ورانہ تربیت دی جائے تاکہ وہ ملازمتیں حاصل کر کے نہ صرف اپنی برادری کی بلکہ پورے معاشرے کی خدمت کر سکیں۔ خواجہ سرا برادری بہت پرعزم اور لگن سے کام کرنے والی برادری ہے، اصل ضرورت اسے صحیح راہ پر ڈالنے کی ہے۔

ہماری برادری کے لئے الگ ''شیلٹر ہوم'' بنائے جائیں جہاں ہم پرسکون طریقے سے رہ سکیں۔

اس حوالے سے عوام میں آگاہی پیدا کرنا ناگزیر ہے۔ عوام کے اندر شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ ہمارے وجود کو تسلیم کریں اور ہمارے ساتھ برابر شہریوں کی طرح رہیں۔

ضیاء خان

بانی، کوئٹہ آن لائن اینڈ بلوچستان آن لائن
سماجی کارکن

مکرر ارشاد

"...حکومت نوجوانوں کے لئے مطالعاتی دوروں کا بھی اہتمام کرے تا کہ ان کے اندر آگاہی پیدا ہو اور وہ ممکنات اور مواقع سے روشناس ہوں۔"

دوسرے صوبوں کے مقابلے میں بلوچستان کے نوجوانوں کے لئے تعلیم اور روزگار کی صورتحال کیسی ہے؟

پاکستان کے دیگر علاقوں کے ساتھ موازنہ کریں تو نوجوانوں کے لئے مواقع اور مختلف سرگرمیوں میں ان کی شمولیت انتہائی پست ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ صوبائی سطح پر نوجوانوں کے لئے کوئی پالیسی نہیں ہے۔ صوبے کی ترقیاتی بحث سے نوجوان یکسر غائب نظر آتے ہیں۔ شعبہ تعلیم کو ہی دیکھ لیں۔ اس کا معیار کیسا ہے؟ دوسرے صوبوں کی طرف دیکھیں تو وہاں شاندار یونیورسٹیاں موجود ہیں؟ نہیں! پورے صوبے میں صرف دو یونیورسٹیاں ہیں جو تعلیمی خلاء کو دور کرنے اور معیاری تعلیم کی فراہمی کے لئے واقعی بھرپور محنت کر رہی ہیں۔ یہی حال روزگار کے مواقع کا ہے جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ انتھک محنت کے بعد تعلیم مکمل کر کے ڈگریاں حاصل کرنے والے یہ نوجوان کہاں جائیں گے یا کیا کریں گے؟ نوجوانوں کو ہنرمند بنانے کے لئے بھی کوئی پروگرام شروع نہیں کئے گئے یا ایسے کوئی مواقع موجود نہیں جن کی بدولت وہ ذاتی کاروبار شروع کرنے کے قابل بن سکیں۔ یہ تو دارالحکومت کوئٹہ کا حال ہے۔ صوبے کے باقی علاقوں کی حالت کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

تفریحی سہولیات کے میدان میں بھی یہ صوبہ کہیں پیچھے ہے۔ کھیلوں کے لئے کوئی میدان نہیں، صرف دو کرکٹ گراؤنڈ ہیں، کوئی اچھے معیار کے سینما، پارک یا ہوٹل وغیرہ نہیں ہیں۔ ان حالات میں یہ نوجوان کدھر جائیں گے؟ اس سوال کا جواب کچھ مشکل نہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہماری ترقی کا اصل محرک ہی ہمارے لئے سب سے بڑا چیلنج بن گیا ہے۔ اپنے طور پر ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ نوجوانوں کی جو کچھ مدد ہم کر سکتے ہیں کریں، جس کے لئے ہم نے ایک آن لائن رضا کار پلیٹ فارم بنایا ہے جس میں کوئی بھی نوجوان شامل ہو سکتا ہے اور کمیونٹی کی ترقی کے حوالے سے ہماری تمام تر سرگرمیوں کا حصہ بن سکتا ہے۔

صوبے میں نوجوانوں کی سماجی شمولیت کے لئے کون سے پلیٹ فارم موجود ہیں؟

نوجوانوں کو شمولیت کے مواقع فراہم کرنے کے لئے یونیورسٹیاں اکثر کھیلوں اور دیگر ہم نصابی سرگرمیوں کا اہتمام کرتی رہتی ہیں۔ تاہم ان سے ہٹ کر بالخصوص حکومت کی جانب سے بالکل کوئی مواقع نہیں ملتے۔ ان حالات میں ان کے پاس ہمارے جیسے پلیٹ فارم ہی رہ جاتے ہیں۔

نوجوانوں کی بہتری کے لئے کن اقدامات کی ضرورت ہے؟

پہلی ترجیح تو یہ ہونی چاہئے کہ نوجوانوں کی تعلیم بہتر بنائی جائے۔ میرٹ پر سختی سے عمل کیا جائے تا کہ حقدار نوجوان محروم نہ رہ جائیں۔ محکمہ نوجوانان کا احیاء کر کے اسے پھر سے فعال بنایا جائے۔ یہ نوجوانوں کے لئے ایسی بامعنی سرگرمیوں کے منصوبے بنائے اور انہیں عملی جامہ پہنائے جن کی بدولت انہیں کچھ سیکھنے کو بھی ملے۔ ہر ضلع کی ضروریات کے مطابق وہاں تربیتی ماہرین ہونے چاہئیں جو اپنے اپنے متعلقہ شعبوں میں نوجوانوں کو تربیت دیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی جیسے شعبوں میں مختلف مہارتوں اور اپنا کاروبار شروع کرنے کی تربیت کی ضرورت ہے لہٰذا ان مہارتوں سے متعلق پروگرام شروع کئے جائیں۔ حکومت نوجوانوں کے لئے مطالعاتی دوروں کا بھی اہتمام کرے تا کہ ان کے اندر آگاہی پیدا ہو اور وہ ممکنات اور مواقع سے روشناس ہوں۔ ظاہر ہے حکومت محض اپنے طور پر نوجوانوں کی بہتری پر کام نہیں کر سکتی اس لئے معاشرے کے دیگر شعبوں کو بھی اس میدان میں قدم رکھنا چاہئے اور اس عمل میں حصہ لینا چاہئے۔ ان میں سماجی ادارے، جس طرح ہمارا ادارہ ہے، اور نجی شعبہ شامل ہیں۔

نوجوانوں کی آواز

نوجوانوں کو صوبے کی ترقی سے متعلق بحث و عمل میں کس طرح ساتھ ملایا جاسکتا ہے؟

ہمارے لئے نئے مواقع پیدا کرنے کے لئے
پیشہ ورانہ تربیت کی فراہمی ضروری ہے۔

سنگین خان

میں نے پچھلے سال تعلیم مکمل کی اور ابھی تک بیروزگار ہوں۔
ایسے پروگرام شروع کئے جائیں جو تعلیم مکمل کرتے ہی
نوجوانوں کو جذب کرسکیں، چاہے مشاہرہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

مراد کاکاخیل

شہروں کی سطح پر نوجوانوں کی تنظیمیں بنائی جائیں جو نوجوانوں
سے متعلق مشاغل اور سرگرمیوں کو فروغ دیں۔ایسی تنظیمیں جن
میں نوجوان،نوجوانوں کے لئے کام کریں۔

گوشو درانی

اس وقت نوجوانوں کو سی پیک سے متعلق تکنیکی مہارتوں یا
پروگراموں کی ضرورت ہے۔سی پیک کی بدولت لاتعداد نئی
راہیں کھلیں گی لہٰذا نوجوانوں کو اس کے لئے تیار ہونا چاہئے۔

اکبر سردار

پدرشاہی رویوں میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔میری نوے
فیصد سہیلیاں ایسی ہیں جنہیں درمیان میں تعلیم چھوڑنا پڑی یا
تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسے ضائع کردیا۔تبدیلی کی
شروعات گھر سے ہونی چاہئے۔

اسراء بلوچ

ایسے نوجوانوں کو کسی طرح کی مالی امداد اور رہنمائی ملنی چاہئے جو اپنا
کوئی کاروبار شروع کرنا چاہتے ہیں۔میں اور میری بہنیں ہر طرح کی
سلائی کڑاہی کرتی ہیں اور اسے آگے بڑھانا چاہتی ہیں لیکن مالی
وسائل اور رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے ہم ایسا نہیں کرسکتیں۔

ثناء آفریدی

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان